محبت سے ہر ایک سے ملتے ۔سب کا دکھ درد سنتے اپنی استطاعت کی حد تک پریشانی دور کرنے کی کوشش بھی فرماتے ۔

اپنے گھر میں ہوں یا کسی اجتماع میں یا سرِ راہ ان کی وضعداری اور محبت میں کبھی فرق محسوس نہیں ہوتا ۔مفتی صاحب بڑے وضعدار قسم کے بزرگ تھے مرحوم اپنی وضعداری، مروت رکھ رکھاؤ کی وجہ سے زہر کے گھونٹ بھی مسکراتے ہوئے پی جاتے تھے اور ازلی دشمنوں اور سیاسی حریفوں سے اس طرح ملتے جیسے ان سے ملنا خضر و مسیحا کی ملاقات سے بہتر ہو۔ ان کی وضعداری ہی تھی کہ تادم آخر کانگریسی رہے لیکن کانگریسیت کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں ان کا رشتہ مختلف رجحانات کے لوگوں سے رہا۔

مفتی صاحب سیاسی لیڈر ہی نہ تھے لیڈروں کے لیڈر تھے ۔مشیروں کے مشیر تھے لیکن عام کانگریسی لیڈروں کی طرح کسی بڑے حکمراں سے فون پر بھی گفتگو کرتے ہوئے کانپتے وتھراتے نہیں تھے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے ۔مجھے کچھ معتمد قومی رہنماؤں نے بتایا کہ ایک کانفرنس میں جس میں آنجہانی اندرا جی بھی شریک تھیں ۔ اندرا جی نے "بنگلہ دیشی مسلمانوں سے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تو مفتی صاحب نے برجستہ اسی مجلس میں اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ آج کل ہماری محترمہ وزیر اعظم کو بنگلہ دیشی مسلمانوں سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی ہوگئی ہے ۔مفتی صاحب باوجود بڑے کانگریسی لیڈر ہونے کے سودے بازی اور نعرہ لگانے کے فن سے کورے تھے ۔اگر مفتی صاحب چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ ان کو بآسانی مل سکتا تھا لیکن ان کی وضعداری تھی کہ کبھی کسی سرکاری عہدے کی لالچ نہیں کی۔

مفتی صاحب تحریر وتقریر کے میدان کے کامیاب شہسوار تھے ۔زبان وقلم میں بلا کی شگفتگی و دلآویزی تھی ۔آپ کی تقریروں میں علم و روحانیت فکر و بصیرت اور تحقیق و کاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دلآویزی کی چمک دمک نظر آتی ہیں ۔یہ حقیقت ہے کہ مفتی صاحب کو قدرت نے نثر نگاری کا جتنا صاف ستھرا ذوق دیا تھا ویسے ہی علمی حیثیت سے بھی بلند مقام کے آدمی تھے ۔

مگر انھوں نے اپنی گراں قیمت زندگی کا تقریباً تمامتر حصہ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو اور بڑا بنانے میں صرف کیا۔ ؎

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت!

بلاشبہ تاریخ میں ایسے بے لوث تعمیر پسند اور دوسروں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر سہارا دینے والے کم ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ نہ جانے کتنے نوجوان ہیں جو صرف حضرت مفتی صاحب کی حوصلہ افزائی، امداد اور تعاون کی بدولت صاحب قلم، صاحب تصنیف اور علمی و ادبی دنیا میں شہرت و عظمت کے حامل ہو گئے۔ اور مفتی صاحب نے خود کو انشاء پردازی کے میدان میں پیچھے رکھنے کی سعی کی اور شاذ و نادر ہی اور انتہائی مجبور کن حالات میں ہی کچھ لکھا۔ خود ہی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> ۱۹۳۷ء کے اوائل میں جب ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا۔ دوسرے رفقائے کار کیساتھ میں بھی ایک بڑھیا قسم کی بلوری دوات اور عمدہ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا تھا اور لکھنے پڑھنے کا کام شروع بھی کر دیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی "الکلم الطیب" تشریحی نوٹوں کیساتھ اور علامہ ابن جوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ انہی دنوں کی یادگار ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ طے کر لیا کہ لکھنے پڑھنے والوں اور تصنیف و تالیف کے شہسواروں کی کمی نہیں کمی جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ادارے کا انتظام کون چلائے اور کس طرح چلائے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کوتاہ قلم اور کم سواد انتظامات کے خرخشوں میں پھنس کر رہ گیا اور شروع کئے ہوئے کام یوں ہی ناتمام رہ گئے۔ گذرے ہوئے دن واپس نہیں آتے اور اب افسوس کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہے۔" (انتہیٰ)

مفتی صاحب ایک عظیم المرتبت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب ترین منتظم بھی تھے ان کی بے پناہ اور محیر العقول انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف سبھی کرتے ہیں۔ ادارہ ندوۃ المصنفین ان کی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں اور حیرت انگیز کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ خدا حضرت مفتی صاحبؒ کے قائم کردہ اس ادارہ کو پروان چڑھائے۔ (آمین)

"اب اُنھیں ڈھونڈیں چراغِ رُخِ زیبا لیکر"

ڈاکٹر فوق کریمی علیگ

انسانی زندگی میں موت ایسے آتی ہے کہ آہٹ تک نہیں ہوتی اور نہ کسی کو کانوں کان خبر ہوتی ہے۔ چلتے پھرتے ہنستے کھیلتے لوگ پل بھر میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو چھوڑ کر ایسے موت کی آغوش میں سو جاتے ہیں کہ پھر نہ اُن کو عزیزوں کے رونے دھونے کا خیال ہوتا ہے اور نہ احباب دوستوں کی جدائی کا احساس۔

موت یوں تو ہر انسان کو آتی ہے اور جو انسان ابھی دنیا میں آیا ہے اسے ضرور موت کا ذائقہ بھی دیکھنا ہے لیکن کچھ موتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو جس محلہ میں کسی کی موت ہوتی ہے تو اس کی خبر پورے محلہ میں رہنے والوں کو نہیں ہوتی۔ کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر کوئی شہر کا با اثر شخص ہوتا ہے تو پورے شہر میں اظہار افسوس کیا جاتا ہے کچھ موتیں وہ ہیں جو ملکوں کو متاثر کر جاتی ہیں جیسے کسی بادشاہ کی موت ہو یا کسی ملک کے سربراہ کی موت ہو لیکن یہ سب وہ موتیں ہیں جن کے متعلق چند دن لوگ غم کا اظہار کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں مگر بعض موتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پورے عالم کو سوگوار بنا دیتی ہیں اور ایسی موتیں ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں اہل علم کے لئے ایک مستقل سانحہ بن جاتی ہیں۔ ایسی ہی موت کے لئے کہا گیا ہے "موتُ العالِم موتُ العالَم" حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی موت اک تمام عالم کی موت ہے وہ بہ یک وقت اک عالم دین بھی تھے مفتی بھی تھے اور اللہ نے ان کو سیاسی بصیرت

بھی عطا کی تھی۔ مفتی صاحب کی زندگی کے دو دَور ہیں۔ اک آزادی سے قبل اور اک آزادی کے بعد۔ آزادی سے قبل ان کی جوانی علم دین حاصل کرنے اور انگریزوں سے وطن عزیز کو آزاد کرانے میں گذری۔ آزادی کی لڑائی انھوں نے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرہ کی حمایت اور ہمنوائی کرتے ہوئے لڑی۔ اس لڑائی میں انھوں نے انگریزوں کے مظالم بھی برداشت کئے اور اپنوں سے گالیاں بھی کھائیں لیکن کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرہ سے دست بردار نہیں ہوئے۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام، پنڈت جواہرلال نہرو، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن حضرت حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی اور دیگر جمعیتی اور کانگریسی مجاھدین آزادی کے شانہ بشانہ ہوکر آزادی وطن کے لئے لڑتے رہے۔

آزادی کے بعد جو خواب مفتی صاحب اور ان کے رفیقوں نے آزاد ہندوستان کا دیکھا تھا وہ نظر نہیں آیا۔ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں اور بالخصوص دہلی کے مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دہلی کے وہ گلی کوچے جن میں مسلمانوں کے خاندان پشت در پشت صدیوں رہتے چلے آرہے تھے وہ انھیں چھوڑنے پڑے اور اس طرح کہ ہجرت کے نام مسلمانوں کو اس طرح اجاڑا گیا کہ ان کے قافلے کے قافلے پاکستان بے یار و مددگار روانہ ہو رہے تھے اور جو جانا نہیں چاہتے تھے کہ ان کو گلی اور کوچوں سے ٹرکوں میں لاد کر ہمایوں کے مقبرے پہنچایا جارہا تھا۔ ایسے حالات میں مفتی صاحب اور ان کے رفیق محترم مولانا حفظ الرحمٰن مجاہد ملت ان مسلمانوں کی خبرگیری کرتے رہے۔ جب حالات سازگار ہوئے تو دہلی اور ملک کی دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کے سروں پر کسٹوڈین کی تلوار لٹکا دی گئی، جو مسلمان پاکستان چلے گئے ان کے مکانات تو کسٹوڈین نے لے ہی لئے تھے لیکن

ساتھ میں ایسے ہزار ہا مسلمانوں کو ان کے مکانات سے بیدخل کر دیا جو ہندوستان میں تھے اور ہندوستان کو اپنا وطن سمجھ رہے تھے۔ گھر گھر میں اک پریشانی کا عالم تھا، اس موقع اور حالات میں بھی مجاہد ملت اور مفتی صاحب ہی نے مسلمانوں کو تسلیاں بھی دیں اور ان کے مکانات کسٹوڈین سے واگذار کرائے۔ جب کسٹوڈین کے مظالم کم ہوئے تو ملک میں مسلم کش فسادات کا سیلاب شروع ہوگیا۔ اس کے لئے بھی مجاہد ملت اور مفتی صاحب حکومت سے لڑتے رہے اور ان لوگوں کے دلوں کو اس وقت شدید تکلیف پہنچی جب ان کے ساتھی جو حکومت میں وزارتوں کو انہی کے پہنچائے ہوئے تھے' وہ ان کی بات پر توجہ نہیں دیتے۔ احمد آباد گجرات کے فسادات پر مفتی صاحب اور ڈاکٹر محمود نے مجلس مشاورت قائم کی۔ اس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے مسائل کو حکومت کے سامنے مفتی صاحب رکھتے، دہلی اور ملک کے کسی حصہ میں جب بھی کوئی فساد ہوتا تو پنڈت جواہر لال اور اندرا جی سے رابطہ قائم کرتے اور ان کو مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو بتاتے۔

مفتی صاحب کے نام اور ان کے مقام سے تو میں ۴۶ء میں اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن ۵۰ء میں حضرت مجاہد ملت کے ذریعہ ان سے قربت ہوئی کہ میں نے علی گڑھ سے اک عالمی اردو کانفرنس کی تحریک شروع کی تھی، میں اس کا بانی اور محرک اور کنوینر تھا۔ اس کانفرنس کی تائید حضرت مولانا مدنیؒ حضرت مجاہد ملت مولانا احمد سعید دہلوی حضرت خواجہ حسن نظامی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر عبدالعلیم قاضی محمد عبدالغفار جیسے اہل علم حضرات نے کی تھی۔ اس مسئلہ میں مفتی صاحب سے بارہا علی گڑھ اور دہلی ملنے کے مواقع مجھے ملے۔ میں جب بھی اُن سے ملتا بیحد محبت اور شفقت سے ملتے تھے۔ ایک بار دہلی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر آیا تو

مفتی صاحب سے ملاقات ہوگی۔ خیریت معلوم کی اور پھر اپنے مکان کی طرف چلدیئے مگر چند سکنڈ کے بعد واپس پلٹے اور مجھ سے فرمانے لگے مجھے یاد آگیا آج شام ۵ بجے میں نے عبدالرحمٰن صاحب انتولے کو اپنے یہاں چائے پر بلایا ہے۔ تم ضرور آجانا میں نے کہا حاضر ہوں گا۔ میں وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ انتولے صاحب بھی تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب نے میرا تعارف ان الفاظ میں انتولے صاحب سے کرایا۔ یہ علی گڑھ کے ایم۔ اے ہیں اور ہمارے پرانے ساتھیوں میں ہیں۔

اس نشست میں دہلی کے کئی ممتاز کانگریسی بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ انتولے صاحب کو چائے پر مفتی صاحب نے اس لئے بلایا تھا کہ وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر آئے تھے اور غالباً یہ بات ۱۹۷۶ء کی ہے۔ انتولے صاحب نے فرمایا کہ جب وہ خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انھوں نے اندراجی کے لئے دعا فرمائی تھی میں ان کی گفتگو کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ جب موضوع بدلا تو دہلی کے کسی کانگریسی بزرگ نے انتولے صاحب سے فرمایا کہ پاکستان ہندوستان کے خلاف مسلم ممالک میں بہت پروپیگنڈہ کرتا ہے اور اس سے ہندوستان کا وقار گرتا ہے۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میں نے انتولے صاحب سے کہا۔ آپ اجازت دیں تو میں عرض کروں فرمایا۔ ضرور، میں نے کہا کہ میں اپنے بزرگوں کی بات کی تردید نہیں کرتا۔ مگر ایک بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اسلامی ممالک کو اگر پانچ ہزار انجنیروں کی ضرورت ہے تو پاکستان پانچ سو نہیں دے سکتا۔ ہندوستان پانچ ہزار دے سکتا ہے۔ جب عرب ملکوں کو انجنیر بھیجے جاتے ہیں تو ان میں مشکل سے ایک فیصدی مسلمان ہوتے ہیں۔ جب کہ ہر سال علی گڑھ سے دو ڈھائی سو انجنیر بن کر نکلتے ہیں میری اس بات کی تائید مفتی صاحب نے بھی فرمائی اور پھر میں نے کہا کہ بات یہیں تک ختم نہیں ہوتی اگر کوئی مسلمان لڑکا تعلیم کے لئے یورپ یا امریکہ جانا چاہے